جناب ضیاء الدین لاہوری

سرسیّد کی تعلیمی تحریک کا طبقاتی محور

سرسید احمد خاں نے تعلیم کی ترویج میں جو مثالی جدوجہد کی وہ مسلمانوں کے ایک طبقہ کے لیے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں مدرسۃ العلوم کے لیے علی گڑھ کا قیام تجویز کرنے کے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ "مسلمانوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا تجویز ہوا تو میں نے علی گڑھ کو اس کے لیے پسند کیا۔ علی گڑھ میرا وطن نہیں تھا اور نہ وہاں سے مجھ کو کچھ تعلق تھا مگر صرف اس خیال سے کہ وہ ایسا مقام ہے جو چاروں طرف سے مسلمان رئیسوں سے گھرا ہوا ہے، میرٹھ، بلند شہر، مظفر نگر، سہارن پور، آگرہ، ایٹہ اور ایک بہت بڑا مخزن مسلمان رئیسوں کا یعنی روہیل کھنڈ، جس میں معزز خاندانوں کے لوگ بستے ہیں، اس سے ملے ہوئے ہیں اس لیے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علی گڑھ نہایت مناسب مقام ہے۔" [1]

مسلمان رئیسوں سے گھرے ہوئے اس مقام پر مدرسہ قائم کرنے میں کیا خاص مصلحتیں کارفرما تھیں؟ اس کا ذکر انہوں نے متعدد تقریروں میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ قوم کی حالت پر نگاہ ڈالتے تھے تو انہیں یہ دیکھ کر گہرا دکھ ہوتا تھا کہ اس قوم کے "جو امیر ہیں ان کے لڑکے ماماؤں اور اناؤں کے لڑکوں اور خدمت گاروں کے لڑکوں کی صحبت پلتے ہیں۔ جب اور کچھ بڑے ہوتے ہیں اور ان کا دل کسی قسم کے ولولوں کے پیدا کرنے کے لائق ہوتا ہے۔ تو اور قسم کے بدرویہ اور بداطوار لوگ ان کے گرد ہوتے ہیں، وہی اُن کے مصاحب اور وہی ان کے دلی دوست شمار کیے جاتے ہیں۔" [2] اپنے ایک خطاب میں ان خیالات کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

> "میں نے بڑے بڑے امیروں کے بچے دیکھے ہیں۔ وہ نوکروں کے لونڈوں، اور اگر وہ نہیں تو، بازاری لونڈوں کی صحبت اٹھاتے ہیں۔ گالی گلوچ، بُرے الفاظ، بداخلاقی کی باتیں، خراب عادتیں سنتے، دیکھتے اور سیکھتے ہیں، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔" [3]

اسی کیفیت کو قوم کے لیے باعثِ شرم قرار دے کر وہ رؤسا اور امرا سے اکثر جذباتی انداز میں یوں مخاطب

---

[1] مکمل مجموعہ لکچرز صہ ۱۵ [2] ایضاً صہ ۱۸۰ [3] سفرنامہ پنجاب صہ ۲۵

ہوتے تھے۔

"میں پوچھتا ہوں کہ آپ صاحبوں نے اپنی اولاد کے اخلاق درست کرنے کی کیا تدبیر کی ہے؟ کیا آپ کے لڑکوں کے ساتھ آپ کے سائیس کے لونڈے نہیں کھیلتے یا ماماؤں اور ان کے لڑکوں میں آپ کے لڑکے نہیں کھیلتے؟ کیا اپنے لڑکوں کو بازاری لونڈوں کی صحبت سے بچانے کے لیے آپ کچھ فکر فرماتے ہیں؟ ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ کچھ نہیں۔ وہی بداخلاقی، بدزبانی، کمینہ عادت جو ان کمینہ لونڈوں سے آپ کے لڑکے سنتے اور دیکھتے ہیں وہی وہ بھی سیکھتے ہیں اور وہی بداخلاقی ان میں اثر کر جاتی ہے۔" [1]

اہل ثروت افراد کے جو لڑکے سکولوں میں باقاعدہ تعلیم پاتے تھے سرسیدؒ ان سے بھی مطمئن نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ "اگر لڑکے کسی گورنمنٹ سکول میں پانچ گھنٹہ تعلیم پاکر آتے ہیں تو ان کا باقی حصہ زندگی کا، جو بالکل سادہ اور مثل ایک پودہ کی نرم شاخ کے ہوتا ہے کہ جس طرح چاہو ٹیڑھی یا سیدھی کر سکو، کس طرح بسر ہوتا ہے۔ گھر کے نوکروں کی صحبت، گلیوں میں بازاری لونڈوں کے ساتھ کھیلنا، ان کی صحبت میں بداخلاقی کی باتیں سیکھنا اور فحش اور بداخلاقی کے الفاظ جو وہ لونڈے بولتے ہیں ان کو سننا اس قسم کے غارت کن رذائل میں ان کی زندگی کا پاک حصہ بسر ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ فرشتہ صورت ہوتے، شیطان سے بدتر ان کے اخلاق ہو جاتے ہیں۔" [2]

سرسیدؒ کے خیال میں "ایک لڑکا جو چند گھنٹہ ماسٹر کے سامنے پڑھ کر آتا ہے تمام دن ...... وہی خراب صحبت بازاری لونڈوں اور خدمت گاروں کے لڑکوں کی اس کو نصیب رہتی ہے، وہی خراب اور بد الفاظ جو ان بازاری لڑکوں کی زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ وہی نکمی عادتیں جو ان لڑکوں میں ہوتی ہیں یہ بھی سیکھتا ہے۔" [3] ان وجوہ کی بنا پر ان کا نظریہ یہ تھا کہ "مدرسہ میں جاکر چار گھنٹے ماسٹر یا زیادہ سے زیادہ انگریزی پروفیسر کے پاس بیٹھنے سے تربیت نہیں آسکتی۔ وہ مقام کچھ جادو گھر نہیں ہے کہ وہاں تین یا چار گھنٹے کا رہنا باقی چوبیس گھنٹوں کی خراب صحبتوں کی خرابیوں کو دور کر سکے۔" [4]

اس خرابی کا حل انہوں نے یہ تجویز کیا کہ "امراء و اہل مقدور اور ذی دولت مسلمانوں کے لڑکوں کی تعلیم کیلئے نہایت ضروری ہے کہ ان کی عمر دس برس تک نہ پہنچنے پائے کہ وہ گھر سے جدا رکھے جائیں اور خاص طور پر اور خاص نگرانی میں ان کی تعلیم ہو۔" [5] یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مدرسۃ العلوم کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس کو جزوِ اوّل قرار دیا اور ایک

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز ص ۱۵۲ [2] سفرنامہ پنجاب ص ۹۳ [3] ایضاً ص ۱۲۱
[4] ایضاً ص ۲۵۳ [5] تہذیب الاخلاق (۲) ص ۹۹۴

خطاب میں بتایا کہ "کالج میں یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ جو لڑکے کالج میں تعلیم پائیں گے وہ کالج میں رہیں گے۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ امیروں کے لڑکوں کو مدرسہ میں رہنا ضروری نہیں ہے یا وہ اس کو پسند نہیں کریں گے۔ آپ صاحبوں نے ولایت انگلستان کا حال شاید معلوم نہیں کیا ہے۔ وہاں جا کر دیکھئے کہ لارڈ اور ڈیوک اور نہایت اعلیٰ درجے کے جنٹلمین اور ذوی المقدور لوگوں کے لڑکے بھی کالج میں جا کر پڑھتے ہیں اور ضرور بورڈر ہو کر رہتے ہیں"[1]

سادہ الفاظ میں اس حکمت عملی کا مقصد یہ تھا کہ بے مقدور افراد بورڈنگ ہاؤس کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کی بنا پر اپنے بچوں کو یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم نہ دلوا سکیں اور مدرسۃ العلوم بلا شرکت غیرے ذی مقدور حضرات کے صاحبزادگان کی درس گاہ ہو۔ سرسید نے اس حکمت عملی کی دو وجوہات بیان کیں۔ "اول یہ کہ جب تک اعلیٰ قوموں میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہیں پھیلتی، ادنیٰ قوموں اور غریب لوگوں میں ہرگز تعلیم نہیں پھیل سکتی۔ دوم یہ کہ جب تک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ملک میں موجود نہیں ہوتی، ادنیٰ درجہ کی تعلیم کا پھیلنا ناممکن ہے۔"[2] انہوں نے اس کی توضیح اس طرح کی کہ "قدرت کا قاعدہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کی پیروی کرتا ہے، کبھی اعلیٰ ادنیٰ کی پیروی نہیں کرتا، پس جو لوگ غریب لوگوں میں یا ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے رواج کے خواہاں ہیں ان کا سب سے اوّل یہ فرض ہے کہ اپنی قوم میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے پیدا کرنے کی کوشش کریں، ادنیٰ درجہ کی تعلیم غریب لوگوں میں رفتہ رفتہ از خود پھیل جائے گی۔"[3]

سرسید اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ "ہر جگہ چار آدمی جمع ہوئے اور اس کا نام اسلامی انجمن رکھا اور بارہ روپے مہینے کا ایک ماسٹر مقرر کیا، سکول جاری کیا اور مسلمان لڑکوں کو گھسیٹ کر اس میں داخل کیا۔"[4] ان کا خیال تھا کہ "جو لوگ اپنی کوششیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر متوجہ نہیں کرتے اور ادنیٰ درجہ پر مصروف ہوتے ہیں وہ الٹی گنگا بہاتے ہیں۔"[5] اپنے خطاب میں اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

> "بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان چھوٹے سکولوں میں ادنیٰ درجہ تک تعلیم دے کر لوگوں کو تیار کرتے ہیں تاکہ وہ کسی سکول یا کالج میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانے کے لیے داخل ہو سکیں، اور اس خیال سے بہت سے بزرگوں نے جابجا پرائمری اور اپر پرائمری، مڈل اور بعض مقاموں میں انٹرنس تک کے سکول قائم کیے ہیں۔۔۔۔۔۔ انہوں نے ایسا کرنے سے اس مقدم امر سے جس کو میں نے مقدم قرار دیا ہے، یعنی مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی ترقی سے بالکل غفلت کی ہے یا اپنی قوت کو مقدم کے بدلے

---

[1] مکمل مجموعہ لکچرز ص ۱۵۲ [2] ایضاً ص ۳۲۵ [3] ایضاً

[4] ایضاً ص ۳۲۰ [5] ایضاً ص ۳۲۵

مؤخر شے کی طرف رجوع کیا ہے ۔"

"تعلیم کے متعلق صرف دو قسم کے خیالات ہیں ۔ ایک اشاعت کرنا اعلیٰ درجے کی تعلیم کا جو بلاشبہ ایک محدود گروہ کو یا قلیل گروہ کو نصیب ہوگی ، دوسری اشاعت کرنا عام تعلیم کا جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عام لوگ اور غریب گرو ہیں اور غریبوں کے لڑکے اس سے فائدہ اٹھائیں اور گروہ کے گروہ اور غول کے غول ایسے پیدا ہو جائیں جو شدبود سے واقف ہوں ۔ جہاں تک مجھ کو اپنی قوم کے بزرگوں سے موقع ملا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے خیالات اس پچھلی قسم کی تعلیم کی طرف زیادہ مائل ہیں اور وہ اپنی نیک نیتی سے تعلیم کا ایسا طریقہ چاہتے ہیں جس سے غریب آدمی بھی فائدہ اٹھا سکیں ....."

"عام تعلیم کا عام لوگوں میں بغیر موجود ہونے اعلیٰ تعلیم کا پھیلنا ناممکن ہے اور تمام دنیا کی تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ پس بلاشبہ مجھ کو افسوس ہے کہ نیک نیت کوششیں ، جو قبل از وقت ہماری قوم کے بزرگ دوسری قسم کے خیالات سے کرتے ہیں ، یا وہ سب ضائع ہونے والی ہیں یا قوم کے عروج کے لیے سب بے سود ہیں ...... میری آرزو ہے کہ ہماری قوم خود اپنے اتفاق سے قومی سکول اور قومی کالج قائم کرے ۔ اور ان کی کثرت ہو کہ گورنمنٹ کو اپنے سکول اور کالجوں کو بہ مجبوری اٹھا لینا پڑے مگر ہم کو کسی سکول کے قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ ہم انٹرنس کلاس کی پڑھائی کا سکول قائم نہیں کر سکتے ..... اس طرح ہم کو کسی کالج کے قائم کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ ہم اس قدر سرمایہ بہم نہ پہنچا لیں جس سے ہم علاوہ ہندوستانی پروفیسروں کے کم سے کم تین یورپین پروفیسر نہایت عمدہ خصلت کے اور پورے جنٹلمین مقرر نہ کر سکیں ۔" [1]

انگریز اساتذہ کی خصوصی اہمیت کی بابت سرسید نے واضح طور پر بیان کی کہ " ایسے سکول جو انٹرنس تک پڑھاتے ہیں اور جن میں ہیڈ ماسٹر ایک یورپین جنٹلمین نہیں ہے ، بہت ناقص سکول ہیں اور طالب علموں کو ناقص رکھتے ہیں ، خواہ وہ سکول گورنمنٹ کے ہوں یا مشنریوں کے یا پرائیویٹ لوگوں کے ۔ اگر ہماری قوم ایسے سکول جاری کرنا چاہتی ہے تو ایسی تدبیر کرے کہ یورپین ہیڈ ماسٹر اس میں ہو اور سمجھ لے کہ بارہ سو روپیہ خرچ کرنا ہوگا ۔ جو کالج ایسا ہو جس میں کم از کم تین یورپین پروفیسر نہ ہوں وہ بھی طالب علموں کو ، ان کی لیاقت کو ناقص رکھنے والا ہے ۔" [2]
ان کی نگاہ میں بارہ روپے ماہوار کا دیسی ماسٹر اور بارہ سو روپے ماہوار کا یورپین ہیڈ ماسٹر بڑی یا اچھی تربیت کے دو متضاد پہلو تھے ۔

سرسید ایک طرف تو عمر بھر یہ تلقین کرتے رہے کہ " ہماری قوم کے سرداروں اور شریفوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی

---

[1] ایضاً صـ ۳۳۶ تا ۲۲۹ [2] ایضاً صـ ۱۴۳

اولاد کو انگریزی علوم کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیں۔" [1] اور دوسری جانب اسی قوم کے غریب افراد کی دنیوی تعلیم کے لیے ادنیٰ مدارس کے قیام کی بھی مخالفت کرتے رہے۔ جو چھوٹے چھوٹے مدرسے ان کی خواہش کے برعکس وجود میں آئے ان کے متعلق وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان میں "انگریزی پڑھانے کا خیال ایک بہت بڑی غلطی ہے۔" [2] کیونکہ ان میں جس "حیثیت" کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں ان کے "مناسب حال" یہ ہے کہ "ان لڑکوں کو کچھ لکھنا پڑھنا اور ضروری کارروائی کے موافق حساب کتاب آجائے اور ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے ان کو پڑھائے جائیں جن سے نماز روزہ کے مسائل جو روزمرہ پیش آتے ہیں، اور مسلمانی مذہب کے سیدھے سادے عقائد ان کو معلوم ہو جائیں۔" [3] دیہاتیوں کی تعلیم کے بارے میں وہ اپنی تعلیمی جدوجہد کے ابتدائی دور میں ہی اپنا یہ خیال ظاہر کر چکے تھے کہ "دہقانوں کے گروہوں کو جو دیہات وغیرہ میں رہتے ہیں، دیسی زبانوں میں "بدرجہ اعتدال" تعلیم کی جائے اور صرف لکھنا پڑھنا اور حساب سکھایا جائے ...... یہ لوگ جو بہت محنت اور مشقت اور سختی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس لیے ان کی جسمی تربیت کے واسطے یہ طریق زندگی ہی کافی وافی ہے، اور کچھ سکھانے سمجھانے کی حاجت نہیں۔" [4]

سرسید کی اس تمام تگ و دو کا مطلب یہ ہوا کہ غربا کے لڑکے تو دنیوی تعلیم کی ادنیٰ صورت بھی نہ حاصل کر پائیں اور اعلیٰ درجہ تک کی تعلیم کے حق دار صرف امیرزادے ہوں۔ جب مالی لحاظ سے معاشرہ پہلے سے ہی حاوی اس طبقہ کے افراد تعلیم پا کر حکومت کے اعلیٰ کلیدی عہدوں پر فائز ہو جائیں تو حاکمانہ رویے کے ساتھ ادنیٰ طبقہ کے استحصال پر (جو طبقاتی امتیاز کے شعور کا لازمی نتیجہ ہے) خوب قادر ہو سکیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے بعد غریب لڑکوں پر ادنیٰ تعلیم کے دروازے کھولے جائیں "تاکہ وہ بڑے ہو کر وقت کی ضرورت کے مطابق بہتر خدمت گار ثابت ہو سکیں۔

برصغیر کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ ہماری قوم کے سردار اور رئیس غریب خاندانوں میں تعلیم کی ترویج کے ہمیشہ مزاحم ہوتے ہیں۔ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ مستحکم ہو کر ان کے مالی رعب و داب اور معاشرتی حیثیت کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ اس حقیقت کو سرسید بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے لکھنؤ کے شرفاء کے ایک جلسے میں اس یقین کے ساتھ کیا کہ "جو ادنیٰ خاندان کے لوگ ہیں وہ ملک یا گورنمنٹ کے لیے مفید نہیں۔" [5] انہوں نے کہا۔

---

[1] ایضاً ص ۱۸۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۸۶ [4] ایضاً ص ۳۶-۳۷

[5] ایضاً ص ۳۵۱

"کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم یا ادنیٰ درجے کا آدمی، خواہ اس نے بی اے کی ڈگری لی ہو یا ایم اے کی، اور گو وہ لائق بھی ہو، ان پر بیٹھ کر حکومت کرے؟ ان کے مال، جائیداد اور عزت پر حاکم ہو؟ کبھی نہیں، کوئی ایک بھی پسند نہیں کرے گا۔" [۱]

اسی خطاب میں آگے چل کر انہوں نے پھر کہا کہ "ہندوستان کی شریف قومیں ہندوستان کے ادنیٰ درجہ کے شخص کو، جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے۔" [۲] سرسید کے اس تجزیے پر دونوں مرتبہ تالیاں بجائی گئیں جو اس طبقہ کے حقیقی رویے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سرسیّد کا یہ فطری تجزیہ اپنے خاندانی پس منظر میں ان کے اپنے دل کی آواز بھی تھی جسے ان کے ایک نہایت عزیز انگریز دوست جے کینیڈی ریٹائرڈ کمشنر نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح بیان کیا ہے۔

"سرسید احمد کو اپنی عالی خاندانی پر فخر تھا۔ اپنی ابتدائی تصانیف میں اس کا ذکر انہوں نے فخریہ انداز میں کیا ہے اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہ اس پر زور دیتے رہے۔ ان کی رائے تھی کہ اعلیٰ سرکاری خدمتوں پر جن ہندوستانیوں کو ملازم رکھا جائے وہ لازماً خاندانی لوگ ہوتے چاہئیں۔ ایک مرتبہ ایک انگریز اپنے شریف رشتہ داروں کا ذکر فخریہ کر رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے انگریز حاکموں کے خاندانی حالات کا کوئی علم نہیں۔ جب تک ایک انگریز حکومت کی کرسی پر متمکن رہتا ہے ہمارے لیے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ وہ کسان کا بیٹا ہو یا کسی امیر لارڈ کا۔ لیکن ہندوستان میں ہم ایک دوسرے کی خاندانی تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اس لیے ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ ہمارے سروں پر کسی مجہول النسب شخص کو مسلّط کر دیا جائے۔" [۳]

اس عہد میں تعلیم کی حد تک یہ رویہ بڑے شہروں میں تو زیادہ مؤثر نہیں رہا البتہ دیگر علاقوں میں بڑی شد و مد کے ساتھ قائم ہے۔ اس طبقاتی رویے کے باعث، جو طبقاتی شعور کے احساس کے زمانے سے موجود ہے سرسیّد کے تعلیمی منصوبہ سے فطری نتائج ہی برآمد ہو سکتے تھے، جو ہوئے۔ ہمارے ملک کی بیشتر آبادی محض اس بااثر طبقہ کی خواہشات کی تکمیل میں آج بھی ناخواندہ ہے۔ بادی النظر میں سرسیّد کا رئیس زادوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر انہیں اس نظریہ سے اعلیٰ تعلیم کی رغبت دلانا کہ ان کی مثبت صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے انہیں قوم کی ترقی میں صرف کیا جائے، بلاشبہ ایک بہت بڑا قومی کام تھا، مگر اس کی اصل قیمت غریبوں کو چکانی پڑی جن کے لڑکوں کے لیے ادنیٰ تعلیم کے راستوں کو بھی بند کرنے کی سعی کی گئی۔ اس تحریک نے گنتی کے "اشراف" کو تو خوب

---

[۱] ایضاً صہ ۳۴۶　[۲] ایضاً صہ ۳۵۱　[۳] تذکرہ سرسید، صہ ۲۲۶

استحکام بخشا مگر "غریب گرد ہوں کے غول کے غول" اپنے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے۔ بقول ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "تعلیم کے معاملے میں سرسیدؒ کے پیشِ نظر صرف طبقہ شرفا کی بحالی تھی جو انگریزی راج میں اعلیٰ عہدوں اور جاگیروں سے محروم ہو گئے تھے۔"

غور کا مقام ہے کہ گھر کے نوکروں، سایئس یا ماماؤں اور ان کے لڑکوں کا ذکر کس حقارت آمیز انداز میں کیا جاتا ہے مگر انہیں مبینہ "بداخلاقی"، "بدزبانی" اور "غارت گن رذائل" سے بچانے کے لیے کوئی ہلکا سا منصوبہ بھی پیش نہیں کیا جاتا جب کہ "اشراف" کے صاحب زادہ گان کو ان "کمینہ لونڈوں" کی "صحبت بد" سے محفوظ کرنے کی فکر ایک عظیم تعلیمی منصوبے کو وجود میں لے آتی ہے۔ متذکرہ بالا تمام حقائق اس نظریہ کی مکمل تائید کرتے ہیں کہ سرسیدؒ کی تعلیمی تحریک قوم کے تمام طبقات کی بجائے محض متموّل افراد اور روسا کے مفادات کے گرد گھومتی ہے۔

کتابیات

تذکرہ سرسید (محمد امین زبیری) یونائیٹڈ پبلشرز لاہور (۱۹۶۱ء)

تہذیب الاخلاق، جلد دوم (سرسیدؒ احمد خان) مصطفائی پریس لاہور (۱۸۹۵ء)

سفرنامہ پنجاب (مرتبہ مولوی اقبال علی) انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۸۴ء)

مکمل مجموعہ لیکچرز سرسیدؒ، مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰ء)

مولوی نذیر احمد دہلوی، احوال و آثار (ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی) مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۷۱ء)

بقیہ صفحہ نمبر ۷۰ سے

(HINDU CODE) کی رو سے ہندو مرد اور ہندو عورت دونوں کو پہلی بار حق طلاق سے متمتع ہونے کی اجازت دی گئی۔ اس سے پہلے ہندو مذہب طلاق کے تصور سے بھی ناآشنا تھا۔ بلکہ میاں بیوی کے رشتے کو جنم جنم کا بندھن قرار دیتا تھا۔ مگر یہ اٹوٹ بندھن اب مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ چکا ہے۔

لے مولوی نذیر احمد دہلوی (احوال و آثار) ص ۱۷۹